حکمتِ سیّد مودودیؒ

چند متفرق اسباق

از جمیل رانا صاحب

انسان خدا کو جنگلوں اور پہاڑوں میں یا عزلت کے گوشوں میں نہیں پا سکتا۔ خدا اس کو انسانوں کے درمیان، دنیوی زندگی کے ہنگامۂ کارزار میں ملے گا اور اس قدر قریب ملے گا کہ گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ جس کے سامنے حرام فائدے، ظلم کے مواقع اور بدکاری کے راستے قدم قدم پر آئے اور ہر قدم پر وہ خدا سے ڈر کر ان سے بچتا ہوا چلا، اُسے خدا کی یافت ہو گئی۔ ہر قدم پر وہ اپنے خدا کو پاتا رہا، بلکہ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ نہ پاتا اور نہ دیکھتا تو اس دشوار گھاٹی سے بخیریت کیونکر گزر سکتا تھا؟ جس نے گھر میں، تفریح کے لمحوں میں اور کاروبار کے ہنگاموں میں ہر کام اس احساس کے ساتھ کیا کہ خدا مجھ سے دُور نہیں ہے۔ اُس نے خدا کو ہر لمحہ اپنے سے قریب اور بہت قریب پایا۔ جس نے سیاست اور حکومت اور صلح و جنگ اور مالیات اور صنعت و تجارت جیسے ایمان کی سخت آزمائش کرنے والے کام کیے اور یہاں کامیابی کے شیطانی ذرائع سے بچ کر خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کا پابند رہا۔ اس سے بڑھ کر مضبوط اور سچا ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟ اس سے زیادہ خدا کی معرفت اور کسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اگر وہ خدا کا ولی اور مقرب بندہ نہ ہو گا تو اور کون ہو گا؟

(اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر)

طبیعت مومن کی مثال ایسی ہے جیسے مشک کہ رائحہ ایمان اس کے جرم تک محدود نہیں رہتی بلکہ پھیلتی ہے جہاں تک پھیلنے کا اُس کو موقع ملے۔ یا چراغ کہ نور ایمان سے جہاں وہ منور ہوا اور اُس نے آس پاس کی فضا پر اپنی شعاعیں پھیلا دیں۔ مشک میں جب تک خوشبو رہے گی وہ مشامِ جان کو معطر کرتا رہے گا۔ چراغ جب تک روشن رہے گا روشن کرتا رہے گا۔ مگر جب مشک کی خوشبو قریب سے قریب سونگھنے والے کو بھی محسوس نہ ہو اور چراغ کی روشنی اپنے قریب ترین ماحول کو بھی روشن نہ کرے تو ہر شخص یہی حکم لگائے گا کہ مشک مشک نہیں رہا اور چراغ نے اپنی چراغیت کھو دی۔ یہی حال مومن کا ہے کہ اگر وہ خیر کی طرف دعوت نہ دے، نیکی کا حکم نہ دے، بدی کو برداشت کرے اور اس سے روکے نہیں، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں خوفِ خدا کی آگ سرد پڑ گئی اور ایمان کی روشنی مدہم ہو گئی ہے۔

(ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۳۳ء، تفہیمات جلد اول)

آپ جس چیز کو انسان کہتے ہیں وہ آدمی کا سالم وجود ہے نہ کہ انسانی جسم کے الگ الگ کیے ہوئے ٹکڑوں کا مجموعہ۔ ایک کٹی ہوئی ٹانگ کو آپ ۱/۸ انسان یا ۱/۲ انسان نہیں کہہ سکتے۔ نہ یہ کٹی ہوئی ٹانگ اُن خدمات میں سے کوئی خدمت انجام دے سکتی ہے جو زندہ اور سالم جسم کا ایک عضو ہونے کی صورت میں وہ انجام دیا کرتی ہے۔ نہ اس ٹانگ کو کسی اور جانور کے جسم میں لگا کر یہ توقع کر سکتے ہیں کہ اُس جانور میں ایک ٹانگ کے بقدر انسانیت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح انسانی جسم کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ اعضاء کو الگ الگ لے کر آپ اُن کے حسن یا اُن کے فائدے کے متعلق بھی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے جب تک کہ پورے زندہ جسم میں ان کے تناسب اور عمل کو نہ دیکھیں۔ ٹھیک ٹھیک یہی حال شریعت کے نقشۂ زندگی کا ہے۔ اسلام اس پورے نقشے کا نام ہے نہ کہ اس کے جدا جدا ٹکڑوں کا۔ اس کے اجزا کو پارہ پارہ کر کے نہ تو ان کے بارے میں جدا گانہ رائے زنی کرنا درست ہو سکتا ہے، نہ مجموعہ سے الگ ہو کر اس کا کوئی جز وہ کام کر سکتا ہے جو وہ صرف اپنے مجموعہ ہی میں رہ کر کیا کرتا ہے، نہ اس کے بعض اجزا کو قائم کر کے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے آدھا یا چوتھائی

اسلام قائم کر دیا ہے، اور نہ کسی دوسرے نظام زندگی میں اس کے کسی جز یا اجزا کو پیوست کر کے کوئی مفید نتیجہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ شارع نے یہ نقشہ اس لیے بنایا ہے کہ یہ پورے کا پورا ایک ساتھ قائم ہو، نہ اس لیے کہ آپ حسبِ منشا اس کے کسی جز کو جب چاہیں لے کر قائم کر دیں بغیر اس کے کہ دوسرے اجزا اس کے ساتھ ہوں۔ اِس کا ہر جز دوسرے اجزا کے ساتھ اِس طرح جڑا ہوا ہے کہ اُن کے ساتھ مل کر ہی کام کر سکتا ہے اور آپ اس کی خوبی کے متعلق صحیح رائے صرف اُسی وقت قائم کر سکتے ہیں جب کہ پورے نظامِ اسلامی کے تناسب اور عمل میں اس کو کام کرتے ہوئے دیکھیں۔ (لا کالج لاہور میں تقریر۔ ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء)

کسی مسلم معاشرے کی اس سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہو سکتی کہ وہ انصاف سے خالی اور ظلم سے لبریز ہوتا چلا جائے۔ اس میں روز بروز بھلائیاں دبتی اور بُرائیاں فروغ پاتی چلی جائیں اور اس کے اندر دیانت و امانت اور شرافت کے لیے پھلنے پھولنے کے مواقع کم سے کمتر ہوتے چلے جائیں۔ یہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والی حالت ہے۔ اگر کسی مسلم معاشرے کی یہ حالت ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسلام کی رُوح سے خالی ہو چکا ہے۔ صرف اسلام کا نام ہی اس میں باقی رہ گیا ہے اور یہ نام بھی اب صرف اس لیے لگا ہوا ہے کہ دُنیا کو اس دینِ حق سے دُور بھگائے۔

(انٹرویو ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور۔ مارچ ۱۹۶۵ء)
(مولانا مودودی کے انٹرویو)

جو شخص، اپنی تعلیم کے نقطۂ آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تعلیم تک دُنیا کے متعلق جتنی معلومات بھی حاصل کرے وہ ساری کی ساری خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے خالی ہوں، اُس کے ذہن میں آخر خدا کا اعتقاد کیسے جڑ پکڑ سکتا ہے، اس کی درسی کتابوں میں خدا کا کہیں ذکر ہی نہ ہو۔ وہ تاریخ پڑھے تو اس میں پوری انسانی زندگی اپنی قسمت آپ ہی بناتی اور بگاڑتی نظر آئے، وہ فلسفہ پڑھے

تو اس میں کائنات کی گتھی خالقِ کائنات کے بغیر ہی سلجھانے کی کوشش ہو رہی ہو۔ وہ سائنس پڑھے تو اس میں سارا کارخانۂ ہستی کسی صانعِ حکیم اور ناظمِ مدبّر کے بغیر چلتا ہوا دیکھا جائے۔ وہ قانون، سیاست، معیشت اور دوسرے علوم پڑھے تو اُن میں سرے سے یہ امر زیرِ بحث ہی نہ ہو کہ انسانوں کا خالق ان کے لیے زندگی کے کیا اُصول اور احکام دیتا ہے۔ بلکہ اُن سب کا بنیادی نظریہ ہی یہ ہو کہ انسان آپ ہی اپنی زندگی کے اُصول بنانے کا حق رکھتا ہے۔ ایسی تعلیم پانے والے سے کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ خدا کا انکار کر، وہ آپ سے آپ خدا سے بے نیاز اور خدا سے بے فکر ہوتا چلا جائے گا

[برکت علی محمڈن ہال میں تقریر۔ ۲۵ر فروری ۱۹۵۲ء۔ (تعلیمات)]

اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعے سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعہ سے برپا ہوتا ہے۔ کھُلے بندوں عام دعوت پھیلایئے۔ بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے۔ لوگوں کے خیالات بدلیے۔ اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے اور اس کوشش میں جو خطرات اور مصائب بھی پیش آئیں، اُن کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے۔ اِس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کرسکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اُسی راستے سے وہ مٹایا بھی جاسکے گا۔

[مکہ معظمہ میں تقریر۔ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ (تفہیمات حصہ سوم)]

جو لوگ خدا کی خاطر کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے ایک جماعت بنیں۔ انہیں ایک دوسرے کا ہمدرد و مددگار اور غمخوار ہونا چاہیے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے مقصدِ عظیم میں کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک کہ بحیثیت

مجموعی اخلاق اور نظم کے لحاظ سے مضبوط نہ ہوں اور اس احساس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار رہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو سہارا دے کہ خدا کی راہ میں آگے بڑھانے کی کوشش کرے۔ اسلام میں اجتماعی تزکیے کا طریقہ یہی ہے۔ میں گرتا نظر آؤں تو آپ دوڑ کر مجھے سنبھالیں، اور آپ لغزش کھا رہے ہوں تو میں بڑھ کر آپ کا ہاتھ تھام لوں۔ میرے دامن پر کوئی دھبہ نظر آئے تو آپ اُسے صاف کریں اور آپ کا دامن آلودہ ہو رہا ہو تو میں اُسے پاک کروں۔ جس چیز میں میری فلاح و بہتری آپ کو محسوس ہو اُسے آپ مجھ تک پہنچائیں اور جس چیز میں آپ کی درستی مجھے محسوس ہو اُسے میں آپ تک پہنچاؤں۔ مادی دُنیا میں جب لوگ ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں تو مجموعی طور پر سب کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاق و روحانیت کی دُنیا میں بھی جب یہ امدادِ باہمی اور دادوستد کا طریقہ چل پڑتا ہے تو پوری جماعت کا سرمایہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

(کل پاکستان اجتماع جماعت منعقدہ کراچی ۱۹۵۱ء میں تقریر)

جو آرٹ اور ذوقِ جمال زندگی کے بجائے ہلاکت اور فلاح کے بجائے فساد کی طرف لے جانے والا ہو اُسے جماعت کے دائرے میں ہرگز پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا جا سکتا۔ یہ کوئی ہمارا انفرادی اور خانہ زاد نظریہ نہیں ہے بلکہ یہی عقل و فطرت کا مقتضا ہے۔ تمام دُنیا اس کو اصولاً تسلیم کرتی ہے۔ اور اسی پر ہر جگہ عمل بھی ہو رہا ہے۔ جن چیزوں کو بھی دُنیا میں جماعتی زندگی کے لیے مہلک اور موجبِ فساد سمجھا جاتا ہے۔ انہیں کہیں آرٹ اور ذوقِ جمال کی خاطر گوارا نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جو لٹریچر فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری پر اُبھارتا ہو اُسے کہیں بھی محض اس کی ادبی خوبیوں کی خاطر جائز نہیں رکھا جاتا۔ جس ادب میں طاعون یا ہیضہ پھیلانے کی ترغیب دی جائے اُسے کہیں برداشت نہیں کیا جاتا۔ جو سینما یا تھیٹر امن شکنی اور بغاوت پر اُکساتا ہو اُس کو دُنیا کی کوئی حکومت منظرِ عام پہ آنے کی اجازت نہیں دیتی۔ جو تصویریں ظلم اور فسادات اور شرارت کے جذبات کی مظہر ہوں یا جن میں اخلاق کے تسلیم شدہ اصول توڑے گئے ہوں وہ خواہ کتنی ہی کمالِ فن کی حامل ہوں، کوئی قانون اور

(باقی برصفحہ ۱۸)